عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں
محرکات، مسائل اور مقاصد

(۵)

از: جناب ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جہاں تک حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس موقعہ اور جنگ قادسیہ میں بزدلی یا دون ہمتی کے مظاہرے اور پھر اس کو چھپانے کے لیے ان کے تیر چلانے کی روایت گڑھنے اور اس پر بلا ضرورت زور دینے اور حضرت واقد کے کارنامے کو گھٹانے اور دونوں کے بارے میں ماخذ کے رویہ میں ان کے سیاسی اور سماجی پس منظر کے مدنظر فرق پائے جانے کا تعلق ہے اس کا سردست ہمارے اس موضوع سے تعلق نہیں ہے لیکن مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ پر دون ہمتی کا الزام سراسر بہتان ہے۔ اور اسکی تاریخی واقعات سے تردید ہوتی ہے۔ حضرت سعد کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ بیشتر بلکہ تمام ابتدائی مہموں میں شریک رہے تھے۔ اور بعد کے تمام غزوات میں اور بعض سرایا میں بھی پورا پورا حصہ لیا تھا۔[۱۲۱] ابن سعد اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ اصحاب نبی میں ان کا شمار ماہر تیر اندازوں میں ہوتا تھا۔[۱۲۲] سریہ عبدہ میں ان کے تیر چلانے کی فضیلت کا واقعہ کوئی تنہا نہیں ہے۔ جنگ اُحد میں انھوں نے ساہرانہ تیر اندازی کا وہ مظاہرہ کیا تھا کہ متعدد روایات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف و توصیف فرمائی تھی۔[۱۲۳] اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے غزوات و مواقع پر ان کی شجاعت و مردانگی کے حوالے ملتے ہیں۔[۱۲۴] یہ صحیح ہے کہ

ان کے کارناموں کے بارے میں بعض روایات ان کی سند پر یا ان کے اہل خاندان میں سے کسی سے مروی ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ تعداد ان روایتوں کی ہے جو ان کے علاوہ دوسرے غیر متعلق راویوں سے مروی ہیں"[125] پھر واٹ کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کی تیر اندازی کی خیرہ کن روشنی میں حضرت واقد کے کارنامے کو کم کرکے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابن ہشام نے اپنے تبصرے میں ابن حضرمی کے قتل کو اسلام کے لیے اولین قتل قرار دے کر ان کے کارنامے کی قدر و قیمت کا اعتراف و اعلان کیا ہے"[126]۔ بہر حال یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی کے مقابلے میں امت کے زیادہ اہم اور نمایاں تر فرد تھے۔ اگر ان کے کارنامے زیادہ اُجاگر نظر آتے ہیں تو یہ فطری بھی ہے اور تاریخی حقیقت بھی۔ اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ان کی سماجی و مذہبی برتری اور کثرت اولاد کی نعمت بعض دوسرے صحابہ یا افراد امت خاص کر امویوں کو حاصل تھی۔ پھر وہ کیوں مطعون و بدنام نظر آتے ہیں۔ کیا ان کے اخلاف و جانشین ان کی تعریف و توصیف میں یہ خدمت انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ واٹ کی اس سلسلے میں تمام دلیلیں نہ صرف بے وزن اور لچر ہیں بلکہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ مآخذ کے بالکل خلاف ہیں۔

نامۂ نبوی پڑھنے کے بعد حضرت عبد اللہ کی اپنے ساتھیوں کے سامنے کی جانے والی تقریر میں ایک فقرہ شہادت کی تمنا کے بارے میں ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ امیر سریہ یا ان کے ساتھیوں کو یا خود ذات نبوی کو جانی نقصان کا خدشہ تھا۔ واٹ اور ان کے حامی دوسرے جدید مورخین نے اس فقرے اور بعض دوسرے قرائن سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ مہم اس لیے خطرناک تھی کہ مسلمان مجاہدین چھاپہ مار کارروائی کے لیے جا رہے تھے جس میں دونوں فریق کے لیے جانی نقصان کا احتمال و اندیشہ رہتا ہے"[127] کسی حد تک یہ بات صحیح ہو سکتی ہے لیکن یہ معاملہ صرف مہم نخلہ تک ہی تو محدود نہیں ہونا چاہیئے۔ جدید مغربی مورخین کا تو دعویٰ ہے کہ اس سے پہلے چھ مہمیں اسی نوعیت کی اور اسی غرض سے بھیجی گئی تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی اتنے جانی خطرے کا احساس نہیں پایا جاتا۔ بلکہ

انھیں مورخین کے دلائل کے مطابق ان مہموں میں جانوں کو زیادہ خدشہ د خطرہ لاحق ہوسکتا تھا کیونکہ وہ شامی شاہراہ تجارت پر گذرنے والے قریشی کاروانوں کے خلاف بھیجی گئی تھیں جو عددی طاقت کے لحاظ سے کافی بڑے ہوتے تھے اور اس طرح ان مہموں کے مجاہدین کے لیے جانی نقصان کا احتمال زیادہ تھا۔ پھر ان مہموں میں اس حقیقت صادقہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ خرار کی مہم میں بھی اس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا جو صرف آٹھ افراد پر مشتمل تھی اور کسی اور کی قیادت میں نہیں بلکہ خود حضرت سعد کی قیادت میں گئی تھی جو بقول واٹ اسی خطرے سے نخلہ کی مہم میں جان چرا گئے تھے۔ بہرحال واضح یہ ہوتا ہے کہ اگر امیر سریہ یا ان کے اصحاب میں سے کسی کو اس قسم کے احتمالات تھے تو ان کا سبب مہم جوئی یا چھاپہ مار کارروائی نہ تھی بلکہ سریہ نخلہ کی مخصوص نوعیت تھی۔ اور یہ مخصوص نوعیت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ دیدہ و دانستہ شیروں کی کچھار میں جا رہے تھے۔ نخلہ مکہ اور طائف سے اتنا قریب تھا کہ اگر مسلم جماعت کی وہاں موجودگی کا علم قریش کو یا ان کے حلیف اہل طائف کو ہو جاتا تو وہ ہر قیمت پر مسلمانوں کو پکڑنے یا ختم کرنے کی کوشش کرتے کیونکہ ان کے اپنے گھر کے پچھواڑے دشمن جاسوسوں کی موجودگی نہ صرف ان کو اشتعال دلاتی بلکہ ان کو خدشات سے بھی دوچار کر دیتی۔ اور وہ اس صورت میں ہر قسم کا اقدام کر سکتے تھے۔ اسی لیے امیر سریہ نے شہادت کی تمنا رکھنے والوں کو ساتھ لے جانا چاہا تھا اور مذبذب لوگوں کو روکنا چاہا تھا کیونکہ دوسرے قسم کے لوگوں کی موجودگی مضبوط دل والوں کے لیے بھی کسی وقت اضطراب کا سبب بن سکتی تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے اس جماعت مجاہدین میں کوئی بزدل، دون ہمت یا شہادت سے گریزاں نہ تھا۔

اوپر کی بحث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کم از کم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کاروان قریش پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ کی ہدایت صرف قریش پر نظر رکھنے اور ان کے بارے میں خبریں فراہم کرنے یا کسی خاص کاروان قریش کے بارے میں معلومات حاصل کرنے تک محدود تھی۔ تمام مآخذ کا اس پر حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اس موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھاپہ مارنے کا حکم نہ تھا۔ اور اس تاریخی شہادت کی قدر و قیمت اور اہمیت میں اس حقیقت سے اور اضافہ

ہوجاتا ہے کہ یہ انھیں تمام رواۃ اور مؤلفین سیرت اور مغازی نگاروں کی فراہم کردہ ہے جو سابقہ چھ مہمات کے بارے میں براہ راست یا بالواسطہ صراحت کے ساتھ یا مضمر انداز میں چھاپہ مار کارروائی اور کارواں لوٹنے کے مقصد و محرک کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس دعوے کی کہ ان مغازی نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے ماہ حرم میں کاروان قریش لوٹنے کی ذمہ داری کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمان مجاہدین مہم کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، از خود تردید ہوجاتی ہے۔ مونٹگمری واٹ کا تو یہ دعویٰ ہے کہ اس غدارانہ حملے اور ماہ مقدس کی بے حرمتی پر جب خود مدینہ میں شدید ردعمل ہوا تو آپؐ نے اس حقیقت سے انکار کر دیا کہ آپ ہی نے کارواں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس طرح امیر سریہ اور ان کے جانبازوں کے کندھوں پر اس کی تمام ذمہ داری ڈال دی۔[۱۴۹] گویا کہ آپ رائے عامہ کے خوف سے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ حکم کی حقیقت سے مکر گئے بلکہ وفادار مسلم مجاہدین کو معرض خطر میں ڈال دیا۔ اور مسلمان مورخین نے آپ کے دفاع میں نامۂ مبارک کی عبارت میں الحاق و تحریف کی اور خاص کر " ان کی خبریں ہمارے لیے معلوم کرو" والا فقرہ گڑھ کر شامل کر دیا تاکہ آپ کو اس حملہ کی ذمہ داری سے بچایا جائے اور بے چارے مسلم مجاہدین کو قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔

اور شہادتوں کے علاوہ جن میں سے کچھ اوپر گذر چکی ہیں خود ماخذ کی تمام روایات کی داخلی شہادتوں سے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی اور ان کے متبعین کا اتفاق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی پڑھنے کے بعد مجاہدین کو "حکم نبوی" کا بخوبی علم ہوگیا تھا اور بقول واقدی بئر ابن ضُمیرہ اور بقول سدی بطن ملل میں نامۂ نبوت پڑھنے کے بعد نخلہ تک وہ بلاشبہ تعمیل حکم نبوی کی خاطر ہی آئے تھے اور اسی لیے وہاں فروکش ہوتے تھے۔ پھر ان مجاہدین کو ابن حضرمی والے کارواں پر حملہ کرنے میں نخلہ پہنچ کر تذبذب کیوں ہوا تھا انھوں نے بحث و مباحثہ کیوں کیا تھا؟ اور بقول ابن اسحاق وہ حملہ کرنے سے گریزاں و ترساں کیوں تھے؟ کیوں ایک دوسرے کو ہمت دلا رہے تھے؟ اور بالآخر انھوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا کہ جتنا ممکن ہو کارواں والوں کو مار ڈالا جائے اور ان کے مال پر قبضہ کر لیا جائے؟ مال

قبضہ کرنے اور اس سلسلہ میں ممکنہ خونریزی کرنے کے لیے تو وہ نخلہ تک آئے ہی تھے پھر یہ سارا تذبذب، مباحثہ و مناقشہ اور انجام کار حملہ کرنے اور لوٹ لینے کا فیصلہ کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا اس سے پوری طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کا اپنا فیصلہ تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو اس کی ہدایت نہیں ملی تھی؟ یہ دعویٰ کہ ان کو حملہ کرنے کا حکم نبوی کی تعمیل میں تردد ماہ مقدس کے سبب تھا۔ تو اس کی تردید بھی اسی دلیل سے ہوتی ہے۔ وہ جب نامۂ گرامی کے مضمون سے واقف ہونے کے بعد روانہ ہوئے تھے تو بخوبی جانتے تھے کہ وہ مہینہ مقدس و حرام تھا۔ یہ علم ان کو ماخذ کی بیشتر روایات کے مطابق مدینہ سے روانگی کے وقت سے تھا اور اچانک نخلہ پہنچنے پر نہیں ہوا تھا۔ پھر واٹ کا تو دعویٰ ہے کہ حملہ کا وقت اوّل یا آخر رجب نہ تھا بلکہ وسط رجب تھا[۱۳] جبکہ ان کے نزدیک اشتباہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ اس نکتہ پر ہم مفصل بحث ذرا بعد میں کریں گے لیکن کیا اس سے ان کے اس دعوے کی تردید نہیں ہو جاتی کہ حملہ کی ذمہ داری کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجاہدین کی طرف دیدہ و دانستہ نہیں منتقل کیا گیا ہے۔ اور کیا اس سے یہ بخوبی واضح نہیں ہوتا کہ حملہ کرنے اور لوٹنے کا فیصلہ مسلم مجاہدین کا تھا جو انھوں نے مخصوص حالات و اسباب کی بنا پر کیا تھا؟ اس نتیجہ کی مزید تائید واقدی کی روایت کے مذکورہ بالا گیارھویں نکتے سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق مسلم جماعت مجاہدین کاروان نخلہ پر حملہ کرنے اور ان کا مال لوٹنے کے معاملہ پر دو فریقوں میں بٹ گئی تھی اور حملہ کے مخالف فریق نے حملہ کے حامی فریق کو دنیاوی مال کی طمع پر لعن طعن کیا تھا۔ اگر وہ نخلہ کارواں لوٹنے ہی آئے تھے تو پھر مسلم جماعت کے حامی و مخالف حملہ فریقوں میں منقسم ہونے کے کیا معنی تھے اور کیوں ایک فریق کو دنیاوی دولت کا حریص قرار دے کر مطعون کیا گیا تھا۔ مال غنیمت مقصود تھا تو دنیاوی مال و دولت کی حرص کا الزام ہر دو فریق مجاہدین نخلہ کے بجائے سرکار مدینہ پر عائد ہونا چاہئے تھا جیسا کہ جدید مغربی مورخین نے کیا ہے لیکن نہ صرف اس کا ثبوت ماخذ سے نہیں ملتا بلکہ اسکی واضح تردید ان سے ہوتی ہے مزید تصدیق ماخذ کے اس تبصرے سے ہوتی ہے جس کے مطابق سریہ نخلہ کی مدینہ واپسی پر مسلمانان شہر

نے مجاہدین کو حملہ کرنے اور مال لوٹنے کا ملزم قرار دیا تھا اور ان کو اس پر لعنت ملامت کی تھی۔ کسی روایت کے کسی فقرے یا اشارے سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں میں سے کسی نے بھی حملہ کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ کہ آپ نے پہلے حکم دیا اور پھر ردعمل دیکھ کر مکر گئے، آپ کی پوری سیرت و کردار کے منافی ہے۔ دشمن تک آپؐ کے صادق اور امین ہونے کے قائل اور گواہ تھے۔ اس کے علاوہ اپنے ساتھیوں کو معرضِ خطر میں ڈال دینا یا ان کو کسی مشکل وقت میں عاق کر دینا یا چھوڑ دینا ایک عام سیاسی قائد کے کردار سے فروتر سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپؐ کے بارے میں اس کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ آپ دنیا کے چند عظیم ترین سیاسی مدبروں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخی شہادتوں سے بھی اس دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ آپؐ کی پوری نجی اور عوامی زندگی کے کسی ایک واقعہ یا پہلو سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا جب آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو کسی مشکل وقت میں چھوڑا ہو یا ان کے دفاع، تحفظ اور امداد سے گریز کیا ہو یا کسی قسم کی روگردانی کی ہو۔

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ ابن حضرمی کے کارواں کو لوٹنے کا منصوبہ خود مجاہدین نخلہ کا تھا اس سلسلہ میں دو اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ یہ حملہ کس تاریخ کو ہوا تھا اور دوسرے یہ کہ کیوں ہوا تھا جبکہ وہ ایک طرح سے حکم نبوی سے تجاوز تھا۔

جہاں تک وقت و تاریخ حملہ کا تعلق ہے مآخذ کی متعدد روایات میں اختلاف و تناقض ہے۔ ابن اسحاق و ابن ہشام کی مطبوعہ سیرتوں میں عروہ کی معیاری روایت میں مدینہ سے مہم کی روانگی کا وقت ماہ رجب بتایا گیا ہے۔[۳۰] محمد بن حبیب بغدادی نے رجب کے آخری عشرہ میں روانگی اور یکم شعبان کو واپسی کی تاریخیں دی ہیں۔ ابن اسحاق کے تمام متبعین نے اپنے یہاں اسی ماہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق نخلہ میں کارواں پر حملہ کرنے یا نہ کرنے کی بحث چھڑی تو ابن اسحاق کے نزدیک وہ حتمی طور سے رجب کا آخری دن تھا اور مجاہدین نخلہ نے پورے علم و دانست میں ماہ مقدس میں حملہ کیا تھا۔[۳۱] واقدی کی روایت میں مدینہ سے مہم نخلہ کی روانگی کی تاریخ ہجرت کے سترہویں مہینے بتائی گئی

ہے جس سے بالواسطہ مراد رجب ہی ہے۔(۱۳۲) لیکن نخلہ میں کاروان پر حملہ کرنے سے قبل مسلمانوں نے جو بحث کی تھی اس میں یہ اختلاف یا اشتباہ ابھرا تھا کہ وہ رجب کی آخری تاریخ تھی یا شعبان کی۔(۱۳۳) واقدی کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین کو اس معاملے پر دو فریقوں میں منقسم پاتے ہیں۔ ایک آخر رجب کا قائل تھا تو دوسرا یکم شعبان کا۔ یعنی یہ معاملہ اشتباہ کا نہ تھا اختلاف کا تھا۔ طبری میں مذکورہ سدی کی روایت میں تاریخ حملہ نہ آخر رجب تھا نہ اول شعبان بلکہ وہ آخری جمادی الاخریٰ یا یکم رجب تھی۔(۱۳۴) یہ بہت اہم حقیقت ہے کہ طبری نے اپنی تفسیر میں زہری کی سند پر عروہ کی اسی روایت کو ہو بہو نقل کیا ہے مگر اس میں حملہ کی تاریخ کو جمادی الاخریٰ کا آخری دن قرار دیا گیا ہے۔(۱۳۵) تفسیر طبری میں سریہ نخلہ کے بارے میں مذکورہ سترہ روایتوں میں سے اکثر میں یہ مذکور ہے کہ دراصل تھی تو وہ یکم رجب لیکن مسلمان جانبازوں کو خیال تھا کہ وہ آخری جمادی الاخریٰ کا دن تھا۔(۱۳۶) بعض روایتوں میں حتمی طور سے اس کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات قرار دیا گیا ہے۔(۱۳۷) بہر حال یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ طبری نے اپنی کسی بھی روایت تفسیر میں شعبان کے مہینے یا اول تاریخ کا حوالہ تک نہیں دیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احادیث و آثار کے علماء کے نزدیک مہم نخلہ کا مہینہ جمادی الاخریٰ تھا نہ کہ رجب اور حملہ کا دن آخری رات تھی جمادی الاخریٰ کی یا اوّل رجب تھی۔ گویا شعبان کا یہاں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ابن کثیر نے اپنی روایات تفسیر جن کی تعداد تقریباً دس ہے حملہ کی تاریخ آخری جمادی الاخریٰ یا اول رجب قرار دی ہے اور طبری سے مکمل اتفاق کیا ہے۔(۱۳۸) یہ امر خاصہ اہم ہے کہ ابن کثیر کی روایات کی اسناد اکثر و بیشتر روایات میں طبری کی روایات سے قطعی مختلف اور نئی ہیں۔ اور ان میں دو روایتوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ایک زہری سے موسیٰ بن عقبہ کی روایت۔ موسیٰ کو محدثین نے صحیح ترین اور ثقہ ترین مغازی نویس کہا ہے۔(۱۳۹) اور دوسری روایت میں ابن کثیر نے ابو بکر بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق حافظ موصوف نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے۔ ان کے علاوہ تفسیر و حدیث کے متعدد دوسرے علماء و مصنفین نے بھی اسی کی تائید میں متعدد روایات بیان کی ہیں۔(۱۴۰) مزید برآں ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں مہم نخلہ کی روانگی کے بارے میں جو جملہ تحریر

کیا ہے وہ بھی بالواسطہ طور پر اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ مہم دراصل جمادی الاخریٰ میں روانہ ہوئی تھی اور رجب کا نام متن روایت میں یا تو مصنف کی غلط فہمی کی بنا پر یا کاتب کی غلطی سے راہ پا گیا۔ اس کی تصدیق و تائید ان تمام دوسرے مورخین، مفسرین اور محدثین کی بیان کردہ روایات سے ہوتی ہے جو انھوں نے اسی سند پر یعنی زہری کے واسطہ سے عروہ بن زبیر سے بیان کی ہیں۔ اس طرح روایات و آثار کی غالب اکثریت کا فیصلہ یہ ہے کہ سریہ نخلہ ماہ جمادی الاخریٰ کے اواخر میں کسی وقت بھیجا گیا تھا اور حملہ کاروان نخلہ پر اس ماہ کے آخری دن / رات یا رجب کی پہلی رات کو ہوا تھا۔ اس غالب اکثریتی فیصلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حملہ کی تاریخ آخری جمادی الاخریٰ تھی یا اول رجب نہ کہ آخری رجب یا اوّل شعبان۔ اس طرح واٹ کا خیال کہ حملہ وسط رجب میں ہوا تھا بالکل بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔

اب یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ آخری جمادی الاُخریٰ کا یا اوّل رجب کا۔ مجاہدین کو یقین تھا یا ان کو اس معاملہ میں سچ مچ اشتباہ ہوگیا تھا۔ ابن اسحاق میں عروہ کی روایت سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین میں سے کسی کو بھی شبہ نہیں تھا کہ حملہ کی تاریخ ماہ حرام کی تھی لیکن طبری نے اپنی تفسیر میں یہی روایت بیان کی ہے اور اس میں صراحت کی ہے کہ مجاہدین نے جب حملہ کیا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا۔ تفسیر طبری ہی میں مجاہد کی روایت میں بھی اسی کی تائید ہے اور ذکر آچکا ہے کہ تاریخ طبری میں سدی کی روایت اسی کی تائید کرتی ہے۔ اور یہی روایت پھر طبری نے تفسیر میں بھی دی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو اپنی تفسیر میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسری روایتوں میں بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ مجاہدین کو تاریخ کے سلسلہ میں کوئی اشتباہ نہ تھا۔ اور ان کو حتمی یقین تھا کہ وہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا۔ اور یہی حقیقت بھی تھی۔ ان روایتوں کے بالمقابل متعدد اور کثیر روایات اس مضمون کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو تاریخوں کے بارے میں اشتباہ تھا اور یہ واقعی بھی تھا۔ وہ یقینی طور پر یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ دن آخری جمادی الاخریٰ کا تھا یا اول رجب کا۔ طبری کی تفسیر میں اس نوع کی روایات میں کئی کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر کی کئی روایات میں یہی مضمون پایا جاتا ہے۔ واقدی کے یہاں اگرچہ مہینے مختلف ہیں تاہم حرام و غیر حرام مہینوں میں اشتباہ کا جہاں تک تعلق ہے یہی

خیال اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے علاوہ کچھ روایات ایسی بھی ہیں جو تیسرے نقطہ نظر کی ترجمان ہیں۔ یعنی حقیقتاً مخصوص دن تھا تو یکم رجب کا لیکن صحابہ کرام کی مجاہد جماعت اس کو اپنے یقین واعتماد وعلم کی حد تک جمادی الاخری کا آخری دن سمجھ رہی۔ تفسیر طبری میں حسن بن یحییٰ کی سند پر مقسم مولیٰ ابن عباس کی روایت، محمد بن سعد کی سند پر ابن عباس کی دوسری روایت اور عمار بن حسن کی سند پر ابومالک غفاری کی روایت اور تفسیر ابن کثیر میں عوفی کی سند پر ابن عباس کی روایت کے علاوہ متعدد اسناد پر مروی متعدد روایتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔ بہرحال تاریخ، حدیث، تفسیر اور آثار وتذکرہ کی تمام روایات ان تین انواع میں سے کسی نہ کسی کی ہیں۔ اس شدید تناقص واختلاف کی صورت میں بعد کے کسی مورخ کے لیے حتمی فیصلہ کرنا کہ حملہ کے دن کی اصلی تاریخ کیا تھی خاصہ دشوار کام ہے۔ ابن اسحاق کے مکتب فکر کا واضح فیصلہ ہے کہ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر جماعت مجاہدین نے دیدہ و دانستہ کارواں پر ماہ حرام میں حملہ کیا تھا جبکہ واقدی اور ان کے حامیوں کا زور اس پر ہے کہ تاریخ میں اختلاف رائے تھا۔ لیکن ان دونوں ابتدائی ماخذ سے دو الگ الگ نکات پر زور معلوم ہوتا ہے — ابن اسحاق وغیرہ کے نزدیک نفس فعل اتنا برا اور شنیع نہ تھا جتنا کہ وقت عمل۔ جبکہ واقدی وغیرہ کے نزدیک وقت عمل سے زیادہ شناعت فعل پر زور ہے۔ بہرحال ان تینوں امکانات کا قوی احتمال تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ وزن آخری نقطہ نظر کے حق میں جاتا ہے۔ اس کی مزید تائید مکہ والوں کے اس الزام کہ مسلمانوں نے ماہ حرام کی بے حرمتی کی تھی، کی تردید میں مکی مسلمانوں کا جواب تھا کہ حملہ ماہ حلال میں کیا گیا تھا نہ کہ ماہ حرام میں۔ بہرحال کوئی بھی صورت رہی ہو البتہ یہ قطعی اور حتمی ہے کہ ماہ حرام کی بے حرمتی کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں تھی۔ اور اگر کسی پر تھی بھی تو وہ امیر سریہ اور ان کے ساتھی مجاہدین کے سر تھی۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حملہ کا کوئی حکم سرے سے دیا ہی نہیں گیا تھا۔ مغربی مورخین نے حملہ کی ذمہ داری اور اس کے ذریعہ ماہ حرام کی بے حرمتی کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ڈالنے کی غیر معقول حد تک کوشش کی ہے۔ مونٹگمری واٹ نے اس سلسلے میں عجیب وغریب منطق سے کام لیا ہے۔ ایک طرف تو وہ سر توڑ کوشش کرتے ہیں کہ ماہ مقدس کی بے حرمتی کا جرم ذات نبوی سے منسوب کریں اور

دوسری طرف اس کی تردید بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر آپ نے رجب میں حملہ کا منصوبہ بنایا بھی تھا اور آپ کے ساتھیوں نے اس کو عملی جامہ پہنایا بھی تھا تو آپ نے ایسا کرکے ارادتاً بے حرمتی کا ارتکاب نہیں کیا تھا کیونکہ آپ ماہ رجب یا مقدس مہینوں کے تصور کو جاہلی مذہب کا حصہ سمجھتے تھے اور پورے جاہلی قدیم مذہب کے خلاف برسرپیکار تھے اس لیے اس خاص مہینے یا کسی بھی مقدس مہینے کی تقدیس کے قائل ہی نہ تھے۔ اس لیے آپ کے نزدیک اس ماہ میں کارواں پر حملہ کرنا کوئی گناہ کا کام نہ تھا۔ پھر آپ نے سریۂ نخلہ کی واپسی پر مجاہدین مہم کو کیوں سرزنش کی تھی کہ آپ نے ان کو ماہ مقدس میں جنگ کرنے کا تو حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیوں مال غنیمت کو قبول نہیں کیا تھا اور کیوں اس کو معطل رکھا تھا؟ واٹ کا خیال ہے کہ مہم کے روانہ کرنے سے پہلے آپ کو مدینہ والوں کے اس معاملہ پر اتنے شدید ردعمل اور اتنے نازک و مشتعل جذبات کا علم نہیں تھا۔ اس کا احساس آپ کو مہم کی واپسی پر مدینہ کے مسلمانوں کے ردعمل سے ہوا۔ واٹ کی یہ بھی منطق نرالی ہے کہ مدنی مسلمانوں میں بہت سوں کو غالباً اس بات کا ڈر تھا کہ ماہ مقدس کی بے حرمتی کی پاداش میں قدیم دیوی دیوتاؤں کا عذاب کہیں ان کو یا اس جرم میں پوری قوم کو نہ آن پکڑے۔ اسی ردعمل اور شدید بے چینی کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو حملہ کرنے کے اپنے سابقہ حکم کی تردید کردی تھی اور اسی وجہ سے آپ نے مجاہدین کو سرزنش کی تھی اور مال غنیمت کی تقسیم کو معطل رکھا تھا۔"[۴۴] واٹ کی اس سلسلہ میں تمام دلیلیں اور خیالات حماقت کی حد تک بچکانہ ہیں۔ یہ خیال کہ آپ کو مدینہ کے مسلمانوں کے ماہ مقدس کی بے حرمتی کے بارے میں شدید جذبات اور نازک احساسات کا علم نہیں تھا، قابل قبول نہیں ہے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز اور نامعقول یہ تصور ہے کہ مدینہ کے مسلمان ماہ حرام کی بے حرمتی پر دیوتاؤں کے عذاب سے ترساں و لرزاں تھے۔ یعنی مدنی مسلمانوں کو اپنے پرانے دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں توڑنے میں تو کوئی خوف ان کے عذاب کا نہ محسوس ہوا اور ہوا بھی تو ماہ مقدس کے بے احترام ہونے پر۔ واٹ نے اس سلسلہ میں دو نادر تحقیق کے نمونے اور پیش کیے ہیں۔ ایک یہ کہ مدینہ کے لوگوں کو قدیم مذہب سے مکہ والوں کی بہ نسبت زیادہ لگاؤ تھا اور دوسرے یہ کہ مکیوں کے مقابلے میں مدینہ والوں کو جنگ و جدال

کا اتنا تجربہ نہ تھا۔ مکہ والوں کو چونکہ مسلسل جنگ وجدال کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے ان کے یہاں نہ تو ماہ مقدس کا اتنا احترام تھا اور نہ ہی دوسرے محرمات کا۔ جنگ کے زمانے میں ان کے یہاں ان تقدیسات کی مکمل خلاف ورزی ہوتی رہتی تھی۔[۱۴۳] واٹ کا یہ پورا تجزیہ غیر علمی اور سطحی ہے۔ جہاں تک قدیم مذہب سے وابستگی کا تعلق ہے مدینہ والوں کے یہاں وہ مکہ والوں سے کسی طور زیادہ نہ تھی۔ تاریخی روایات اور شواہد سے اس کا قطعی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس کی تردید کے متعدد قوی ثبوت ملتے ہیں اور سب سے بڑا ثبوت ان کی تیز رفتاری کے ساتھ اور خلوص سے قبول اسلام کی حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مدنی صحابہ کرام کے دلچسپ بت شکنی کے واقعات سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔[۱۴۴] اس ذیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وابستگی، ان کی محبت اور تعمیل حکم میں جاں نثاری اور خاص کر آپ کی سماجی اور مذہبی اصلاحات کو بطیب خاطر قبول کرنے کے حقائق کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ ان سے براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سے اسلامی دین سے وابستگی اور محبت معلوم ہوتی ہے وہیں قدیم مذہب سے بیزاری اور بے تعلقی کا بھی علم ہوتا ہے۔ جہاں تک جنگ و جدال کے ان کے تجربے کا تعلق ہے وہ بھی مدینہ والوں سے اگر زیادہ نہ تھا تو کچھ کم بھی نہ تھا۔ واٹ نے اس سلسلہ میں یہ تاریخی حقیقت بھلا دی کہ مدینہ کے انصاری قبیلوں اوس اور خزرج نے پہلے یہودی قبائل کے خلاف مدتوں نبرد آزمائی کی تھی اور پھر بعد میں باہم دست بگریباں ہو گئے تھے اور جس کے نتیجہ میں بیس بیس سال طویل اور خون آشام جنگیں جیسے حرب سمیر، حرب حاطب، حرب کعب بن عمرو اور جنگ بعاث وغیرہ لڑی گئی تھیں۔[۱۴۵] ان جنگوں کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ نہ صرف مدینہ کے متعدد قبائل دو متحارب اتحادوں میں منقسم ہو گئے تھے بلکہ قرب وجوار کے بدوی قبائل جیسے جہینہ، مزینہ، بنو غطفان وغیرہ بھی ان اتحادوں کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔[۱۴۶] بلکہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ دور دراز شمالی علاقوں کے بعض بدوی قبائل بھی ان اتحادوں میں حلیف کی حیثیت سے شامل تھے۔[۱۴۷] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ واٹ کی ماہ حرم سے مدینہ والوں کی جذباتی وابستگی کی پوری تحقیق غیر علمی، غیر سنجیدہ اور غیر معقول ہے۔

اسی ذیل میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس ماہ حرام کی بے حرمتی کے نکتہ پر مدینہ میں مسلمانوں کی طرف سے شدید ردعمل، بے چینی و اضطراب اور ناگواری کا کیا ثبوت مآخذ سے ملتا ہے یا یہ محض روایات سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ جہاں تک مآخذ کا تعلق ہے ایک روایت میں بھی اس نکتہ پر مدینہ والوں کے شدید ردعمل یا ناگواری و اضطراب کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ مغربی مورخین کے استدلال کی ساری عمارت ان کے روایات و حقائق سے استنباط پر ہے۔ واٹ کے نزدیک اس کے دو ثبوت ہیں۔ اول یہ کہ آپ نے مال غنیمت کی تقسیم کو معطل رکھا اور سریہ کے مجاہدین کو سرزنش کی اور دوم یہ کہ قرآن مجید کی متعلقہ آیت میں ماہ حرام میں جنگ کرنے کے بارے میں جن سوال کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے اس سے مسلمانان مدینہ مراد ہیں۔ جہاں تک مال غنیمت کے معطل یا موقوف رکھنے کا سوال ہے مآخذ سے بصراحت واضح ہوتا ہے کہ ایسا کرنا مسلمانوں کے کسی مخالفانہ ردعمل کے نتیجے میں نہیں تھا بلکہ اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کاروان نخلہ پر حملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کیا گیا تھا اور اس بنا پر وہ حملہ اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مال غنیمت دونوں غیر قانونی اور ناجائز تھے۔ غالباً منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا جائے کہ بلا صریح حکم و اجازت کے حملہ کرنا اور مال غنیمت لوٹ لانا جائز نہیں ہے اور مسلمان حملہ آوروں کو مستقبل میں کسی مالی منفعت کی امید ایسے حملوں یا چھاپوں میں نہ رکھنی چاہئے۔ دراصل یہ مستقبل میں حکم عدولی یا حکم سے تجاوز سے باز رکھنے کی پیش بندی تھی۔ اسی بنا پر غالباً مآخذ کے مطابق مسلمان مجاہدین کو اپنی ہلاکت کا اور عذاب الٰہی کا اندیشہ ہوا تھا۔ اس سے بڑا سبب یہ تھا کہ مال غنیمت کے سلسلے میں ابھی تک کوئی قرآنی نص نہ تھی مسلمان مفسرین اور علماء نے اس پر تقریباً اتفاق کیا ہے کہ مال غنیمت کے سلسلے میں تمام احکام غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوتے تھے۔ تاریخی مآخذ میں ابن اسحاق، واقدی وغیرہ تمام سیرت نگاروں نے اسی کی تائید میں روایات نقل کی ہیں اور تفسیری و حدیثی روایات بھی اسی کی تائید میں ہیں[۱۴۸] حتیٰ کہ جدید مغربی مورخین نے بھی اس کو قبول کیا ہے[۱۴۹] حیرت کی بات ہے کہ خود منٹگمری واٹ کو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں ہے[۱۵۰] کیا یہ ان کے دعوؤں کی تردید کے لیے کافی نہیں ہے ——— (جاری)